(غلام گردش)

منصف

آپ کسی بھی ٹی وی شو کو غور سے سنیں۔آپ کسی بھی اخبار کا مطالعہ کریں۔آپکے ذہن میں ایک جملہ بار ہا دستک دیگا۔یہ جملہ آپکو تواتر سے سننے کو ملے گا۔تمام شرکاء یا اہل قلم کسی اور بات پر متفق ہوں یا نہ ہوں، وہ اس اَمر پر ہر صورت پر سو فیصد اتفاق کر لیتے ہیں۔وہ ہے "قانون کی حکمرانی" جسے ہم Rule of Law کہتے ہیں۔میری دانست میں کسی بھی حکومت کا اصل جوہر اس کلیے پر عمل یا غیر عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔یہ کسی بھی ریاست کی بنیاد ہے اور آج کے دور میں اس پر عمل کیے بغیر کسی مہذب معاشرہ کا وجود چشم تصور سے بالکل باہر ہے۔ہمارے بے ترتیب ملک میں قانون کی عملداری کتنی ہے۔قانون کا عوام یا حکومت کی سطح پر کتنا احترام کیا جاتا ہے۔اس پر کچھ بھی کہنا بے ثمر ہے۔مجھے کئی بار ایسا گمان ہوتا ہے کہ ہم میں سے اکثریت قانون توڑ کر ایک منفی خوشی حاصل کرتے ہیں۔جو قوم ذاتی سطح پر قانون یا شائستگی کے ادنیٰ معیار کو بھی ملحوظ خاطر نہیں رکھتی اس سے آپ کیسے توقع کرینگے کہ وہ قانون کے احترام کے عظیم اصول کو ذہن نشین کر لے۔

مگر یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔قانون کے سکہ کے دوسری جانب عدلیہ اور اسکی وہ افرادی قوت ہے جو لوگوں کو انصاف مہیا کر رہی ہے۔میری مراد جج صاحبان سے ہے۔میں ان لوگوں کو بھی عدلیہ کا اہم حصہ سمجھتا ہوں جو فیصلے ٹائپ کرتے ہیں۔جو انتہائی قلیل وسائل میں بسوں میں دکھے کھاتے ہوئے صبح ساڑھے سات بجے عدالت میں کام پر آجاتے ہیں۔سٹینو، اہلمد، نائب کورٹ، چپڑاسی، فراش اور دیگر لوگ میری نظر میں عدلیہ کا بہت اہم حصہ ہیں۔انکی حالت ناگفتہ بہ ہے۔مگر آج میں انکے مسائل سے صرفِ نظر کر رہا ہوں۔زبوں حالی کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ حکومتی سطح پر ضلع کے ججوں کو مناسب سہولتیں فراہم نہیں کی گئیں۔جہاں منصف خود ناانصافی کا شکار ہیں، تو انکے ساتھ منسلک عملہ کا کیا حال ہوگا؟ میری دانست میں وہ انسانی سطح سے کم تر درجے پر کام کرنے پر مجبور ہیں۔

آپ اسلام آباد جایئے۔شاہراہ دستور پر آپکو سپریم کورٹ کی پرشکوہ عمارت نظر آئیگی۔آپ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی عدالت میں جایئے۔آپ کو اوپر چھت نظر نہیں آئیگی۔بلندی سے شیشہ سے چھنتی ہوئی روشنی آتی محسوس ہوگی۔شائد اسکا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ سپریم کورٹ کے اوپر صرف اور صرف خداوند کریم کی عدالت ہے۔آپ لاہور تشریف لے جایئے۔مال روڈ پر آزادی سے قبل بنائی گئی ہائی کورٹ کی خوبصورت عمارت نظر آئیگی۔آپ کسی بھی جسٹس کی عدالت یا ریٹائرنگ روم میں چلے جایئے۔آپکو بیٹھنے اور انتظار کرنے کیلیے ایک مناسب ماحول نظر آئیگا۔آپکو جج صاحبان کے کام کرنے کیلیے ایک معقول سرکاری منظر بھی دیکھنے کو ملے گا۔مگر یہ سب کچھ ایک دم ختم ہوجاتا ہے جب آپ دفاقی یا صوبائی دارالحکومت سے نکل کر ضلع اور تحصیل کی جانب نظر دوڑاتے ہیں۔ضلع کی حد تک سپریم کورٹ تو سیشن جج ہے۔تحصیل کی سطح پر ہائی کورٹ تو سول جج صاحبان ہیں۔آپ انکی دی گئی سہولتوں کا تنقیدی جائزہ لیں آپ حیران رہ جائینگے کہ آج تک انکی جائز سرکاری ضروریات کو باعزت طریقے سے مہیا کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ہوئی۔انکے کام کرنے اور رہائش کے حالات کسی بھی سطح پر تسلی بخش نہیں ہیں۔میں یہ سب کچھ کیوں لکھ رہا ہوں۔میں یہ الفاظ آپ تک کیوں پہنچا رہا ہوں۔اسکی واحد وجہ صرف یہ ہے کہ میرا تعلق اور ذہنی وابستگی عدلیہ سے ہے۔میرے والد راؤ حیات اکیس برس تک ایڈیشنل سیشن جج اور پھر سیشن جج کام کرتے

رہے۔ میں ضلع کی حد تک اپنے والد محترم کی وجہ سے ججوں کے سرکاری اور گھریلو حالات کو بغور دیکھتا رہا ہوں۔ میں اس وقت سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں ایک دن اپنی اس وابستگی کو قلمبند کرونگا۔ مجھے 1973 سے لیکر 1995 تک آٹھ ضلعوں میں بڑی قربت سے ان ضلعی منصفوں کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ یہ لوگ کتنی بے بسی اور لاچارگی کا شکار ہیں، دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ لکھتے ہوئے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ یہ درست ہے کہ ایشین ڈویلپمنٹ بنک کے پروگرام کے تحت ضلعی سطح پر کچھ کام ہوا ہے، مگر یہ پروگرام جسکا نام Access to Justice تھا، جزوی طور پر بھی مسائل حل نہ کرسکا۔ ضلعی عدلیہ ہی وہ زینہ ہے جہاں عام لوگوں کو کام پڑتا ہے۔ قانون کو نافذ کرنے کی اصل عدالت دراصل یہ لوگ ہیں۔ ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ تو محض اپیل کی عدالتیں ہیں۔ ہمارے نظام انصاف کی اصل بنیاد اور اکائی یہی ضلع کے جج صاحبان ہیں۔

میں 1974 کی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میرے والد کی پوسٹنگ ایڈیشنل سیشن جج ملتان ہوئی تھی۔ میں نے انتہائی قریب سے دیکھا کہ جج صاحبان کے لیے رہائشی سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ میں نے ایک جج صاحب کو نیم پختہ مکان میں رہتے ہوئے دیکھا۔ یہ کچا سا مکان" کوٹلہ تولے خان "نام کے رہائشی علاقے میں تھا۔ میں ایک دن بارش کے دوران اس گھر میں گیا۔ میرے سامنے اس کے ایک کمرے کی چھت میں سوراخ ہوگیا۔ اس چھت پر مٹی اور گارے کا لیپ تھا۔ مگر اس چھت پر مٹی ڈالنے کے وسائل مہیا نہیں کیے گئے تھے۔ ججوں کی اکثریت انتہائی غیر معیاری گھروں میں رہ رہی تھی۔ یہ سلسلہ آج تک بالکل وہی ہے۔ آپ کسی جج کو لاہور یا بڑے شہر میں پوسٹنگ پر آتا ہوئے دیکھیں۔ وہ سالہا سال پریشان رہتا ہے۔ بڑے شہروں میں ان لوگوں کیلیے سرکاری گھر نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے والد کی پوسٹنگ لاہور ہوئی تھی تو ایک سال کے مشکل انتظار کے بعد شادمان میں ایک اپر پورشن ملا تھا۔ یہ سرکاری بالائی حصہ میں صرف بیڈ روم تھا۔ اس گھر کے سٹور کو بھی بیڈ روم میں تبدیل کرنا پڑا تھا۔ جگہ نہ ہونے کی وجہ سے میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے ہاسٹل ہی میں رہتا تھا۔ مجھے آج تک کسی سطح پر یہ فیصلہ نظر نہیں آیا کہ سول اور سیشن ججوں کو انکی عزت نفس مجروح کیے بغیر لازماً سرکاری گھر مہیا کیا جائے۔

آپ سرکاری گاڑی ٹرانسپورٹ پر غور کیجئے۔ سیشن جج کے پاس سرکاری گاڑی نہیں ہوتی تھی۔ ضلعی جج کو یہ سرکاری سہولت 90-1989 میں مہیا کی گئی۔ میں اس وقت اسسٹنٹ کمشنر تھا۔ میری نوکری فقط دو تین سال ہی تھی۔ میرے پاس دو سرکاری گاڑیاں تھیں۔ مگر ضلع میں کسی بھی جج کو کوئی سرکاری ٹرانسپورٹ مہیا نہیں کی گئی تھیں۔ آج بھی سول جج اور بیشتر ایڈیشنل سیشن جج اس بنیادی سرکاری سہولت سے محروم ہیں۔ اکثر جج صاحبان بسوں، ویگنوں اور مانگی تانگی گاڑیوں پر سفر کرنے پر مجبور ہیں۔ میں نے شکر گڑھ میں محسوس کیا تھا کہ تین سول جج صاحبان کیلیے رہائش نہیں ہے۔ صرف ایک سرکاری رہائش دستیاب تھی۔ دو جج ریسٹ ہاؤس میں رہنے پر مجبور تھے۔ وزیر یا وزیر اعلیٰ کے دورے پر انہیں ان کمروں سے بھی محروم ہونا پڑتا تھا۔ میں نے ان مظلوم منصفوں کو بارہا سڑک پر کھڑے ہو کر بس کا انتظار کرتے دیکھا ہے۔ یقین کیجئے، یہ سب کچھ دیکھ کر دل کڑھتا ہے۔ میرے ایک دوست جج صاحب ڈیفنس لاہور میں سات مرلے کے گھر میں رہتے ہیں۔ وہ اکثر ویگن پر بیٹھ کر عدالت آجاتے ہیں۔ وجہ صرف یہ کہ انکے پاس ایک ذاتی سوزوکی آلٹو ہے۔ انکی اہلیہ اور بچوں کی

ڈیوٹی کی بدولت اکثر وہ گاڑی انکے پاس نہیں ہوتی۔

مجھے اچھی طرح ازبر ہے کہ میرے ایک قریبی محترم عزیز کو دمے کی شکایت تھی۔انکا تبادلہ مظفر گڑھ کر دیا گیا۔وہاں گرد وغبار سے انکی حالت غیر ہوگئی۔جج صاحب ایک سال مسلسل وہاں تعینات رہے۔کسی نے انکی خراب صحت اور گرد کے تعلق کو نہیں جانچا۔انکی بیماری اتنی بگڑ گئی کہ وہ کام کرنے سے بھی قاصر ہو گئے۔انہیں عدالت میں بیٹھے بیٹھے سانس کے دورہ کی تکلیف ہو جاتی تھی۔مگر اس حالت میں بھی کام کرتے رہتے تھے۔بڑی مشکل سے انکی شنوائی ہوئی اور انہیں مظفر گڑھ سے طبی وجوہات پر تبدیل کیا گیا۔مگر اسی اثناء میں وہ بیماری بہت بگڑ چکی تھی۔انکی مجبوری کسی کو نظر نہیں آئی۔ضلعی ججوں کے تبادلہ میں انکی جسمانی بیماریوں کو مدِ نظر رکھنے کا پیمانہ آج تک نہیں بن سکا۔صورت حال جوں کی توں ہے۔اگر کسی کی اہلیہ کو کینسر کا موذی مرض ہے اور وہ لیہ میں کام کر رہا ہے تو آپ مجھے سمجھائیں کہ وہ کیا کریگا۔اسکے پاس بیوی کو آہستہ آہستہ مرتے دیکھنے کے علاوہ کیا چارہ رہ جاتا ہے۔یہ آج بھی ہو رہا ہے۔میرا خیال ہے کہ تبادلہ کرتے ہوئے ان معزز لوگوں کے ذاتی حالات کو مدنظر رکھنا چاہیے۔مگر کون رکھے گا؟ اور کیوں رکھے گا؟ سول جج مقابلے کا امتحان پاس کر کے نوکری شروع کرتے ہیں۔وہ سالہا سال مشکل سے مشکل جگہ پر کام کرتے ہیں۔مگر انکی ترقی کا عمل اتنا طویل ہے کہ عمر عزیز کا قیمتی حصہ محض انتظار میں گزر جاتا ہے۔سیشن جج سے ہائیکورٹ کے جج تک پہنچنا محض ایک خواب سا رہ جاتا ہے۔

میری دانست میں ہائیکورٹ میں ترقی کے لیے ضلعی عدلیہ کے مقرر کردہ کوٹہ پر کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔میں نے انتہائی ایماندار جج صاحبان کو دیکھا ہے کہ انکو ترقی کے جائز حق سے بھی محروم رکھا جاتا ہے۔مجھے اس اَمر کا احساس ہے کہ ضلعی عدلیہ میں بھی بگاڑ ہے۔مگر یہ بگاڑ دوسروں شعبوں سے کافی کم ہے۔آج بھی انکی اکثریت سفارش کے کلچر سے قدرے محفوظ ہے۔ایک اور زاویہ بھی ہے جو جوہری طور پر انتہائی نازک ہے!اعلیٰ عدلیہ کے اکثر جج صاحبان کا رویہ ضلع کی سطح کی عدلیہ سے اتنا مشفقانہ نہیں جو کہ ہونا چاہیے۔اچھے برتاؤ سے انکے اعتماد میں اضافہ ہوگا۔حکومتیں آتی ہیں اور رخصت ہو جاتی ہیں۔مگر یہ لوگ مستقل طور پر موجود رہتے ہیں!یہ انتہائی مشکل حالات میں انصاف مہیا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں!یہ ہمارے نظام کے اصل منصف ہیں!ہمیں انکی مجبوریوں اور پریشانیوں کو بھانپ کر انکو بہتر حالات مہیا کرنے چاہیے!میں چالیس برس سے دیکھ رہا ہوں کہ ضلع کے یہ منصف مسلسل ناانصافی کا شکار ہیں!یہ انصاف کے حقدار ہیں!

راؤ منظر حیات

Dated:17-08-2014